نام تصنیف	:	فتاویٰ نوریہ ..... ایک تقابلی مطالعہ
مصنف	:	علامہ محمد الیاس اعظمی
اشاعتِ اوّل	:	جولائی ۲۰۰۵ء
صفحات	:	۴۴۸
قیمت	:	درج نہیں ہے۔

تبصرہ نگار: پروفیسر ڈاکٹر محمد شکیل اوج☆

مصنف نے اپنی یہ کتاب پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری کے نام انتساب کی ہے۔ ان کا انتساب دیکھ کر پروفیسر صاحب سے ان کی عقیدت و محبت کا پتہ چلتا ہے۔ اس اظہارِ محبت کا جواز غالباً یہ ہے کہ مصنف جامعہ اسلامیہ منہاج القرآن کے فارغ التحصیل عالم دین ہیں۔ مصنف کا ایک تعارف جہاں یہ ہے کہ وہ عالم ہیں، وہیں ان کے بارے میں صاحبِ فتاویٰ مفتی نور اللہ بصیر پوریؒ کے صاحبزادے نے انہیں فاضلِ نوجوان ،ممتاز عالمِ دین، پختہ قلم کار، ماہر مصنف ، ژرف نگاہ محقق، نامور اسکالر اور علمی حلقوں میں ایک خاص مقام کا حامل، مطالعہ کا رسیا اور قلم کا دھنی قرار دیا ہے۔ (صفحہ نمبر ۱۱، زیرِ عنوان: حرفِ محبت) اور ڈاکٹر ظہور احمد اظہر نے اپنی تقریظ میں لکھا ہے۔

> محمد الیاس اعظمی صاحب ایک زیرک اور حقیقت فہم عالمِ دین کی حیثیت سے سامنے آئے ہیں۔ انہوں نے حضرت فقیہ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ان فتاویٰ کا مفصل اور وسیع مطالعہ کرنے، اس بے ساحل سمندر سے قیمتی جواہر جمع کرنے اور ان کی چھان پھٹک کرکے دیگر علمائے فن کے علمی کارناموں کے ساتھ تقابل بھی پیش کیا ہے۔(ص ۱۴)

کتاب کے صفحہ نمبر۴ پر ہدیۂ تشکر کے عنوان سے دس احباب، کرم فرماؤں اور اعزّہ کا بھی صمیم دل سے شکریہ ادا کیا گیا ہے جن میں سرِفہرست صاحبِ فتاویٰ نوریہ کے صاحبزادے مفتی محمد محبّ اللہ نوری ہیں۔ فتاویٰ نوریہ اور صاحبِ فتاویٰ نوریہ پر مصنف کے تأثرات کا اندازہ مندرجہ ذیل اقتباسات سے لگایا جا سکتا ہے۔

(۱) ''فتاویٰ نوریہ'' جو حضرت کی عمر بھر کی اجتہادی کاوشوں کا نچوڑ اور

☆ ڈین فیکلٹی آف اسلامک اسٹڈیز، یونیورسٹی آف کراچی، کراچی

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IRI, IIU, Islamabad. http://iri.iiu.edu.pk/

تاریخی کارنامہ ہے۔(ص۔٦)

(۲) بالآخر میرے ذہن نے یہ فیصلہ دیا کہ فتاویٰ نوریہ میں حوادثِ جدیدہ (جدید مسائل) سے متعلق جو علمی و تحقیقی اور اجتہادی جواہر پارے ہزاروں صفحات میں بکھرے پڑے ہیں۔ ان سب کو ایک مربوط مضمون کی صورت میں اپنے مختصر تبصرہ کے ساتھ ترتیب دے دیا جائے تو ایک بہترین مضمون تیار ہو جائے گا۔ اور پھر اس کا دوسرا بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ ایک عام قاری اور دلچسپی رکھنے والے اہلِ علم ، موجودہ سائنسی و تہذیبی دور کے پیدا کردہ نئے نئے مسائل حیات سے متعلق فقہی احکام جاننے اور ان سے متعلق حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمہ کی مجتہدانہ رائے اور فقہ کے میدان میں آپ کی ثقاہت اور تبحر علمی سے بھی بھرپور طریقے سے آگاہی حاصل کر سکیں گے۔ (ص۔٦)

(۳) .....میں شعوری طور پر اس فتاویٰ کو کم از کم ایک صدی کا نمائندہ ترجمان فقہی انسائیکلو پیڈیا سمجھتا ہوں۔(ص۔۷)

مصنف کے بقول وہ منتخب مسائل جن کے احکام جاننے کے لیے'' فقیہ اعظم کی تحقیقاتِ نوریہ'' کا مطالعہ کیا گیا۔ یہ ہیں:

لاؤڈ اسپیکر کا استعمال، انتقالِ خون، بیمہ، روزے کی حالت میں ٹیکہ، ہوائی جہاز اور چلتی گاڑی میں نماز، ان مسائل کے ضمن میں مصنف نے صاحبِ فتاویٰ کو'' فکر و اجتہاد کا قلزم'' اور صاحبِ فتاویٰ کی تحقیقات کو ''صدیوں پر مشتمل فقہی ادب کا خلاصۃ الفتاویٰ'' قرار دیا ہے۔(ص۔۷) اور مصنف نے اپنی کتاب کے تعلق سے لکھا ہے۔

''۱۹۹۴ء سے شروع ہونے والا کام الحمد للہ آج ۲۰۰۴ء میں قلمی مراحل سے گزر کر اشاعت کی منزل کی طرف رواں دواں ہے۔'' (ص۔۹) قبل ازیں وہ صاحبِ فتاویٰ پر'' فقیہ اعظم اور مسائلِ جدیدہ'' کے عنوان سے ایک مضمون بھی لکھ چکے ہیں۔ جو ماہنامہ'' نور الحبیب'' کے پہلے خصوصی نمبر جنوری، فروری ۱۹۹۳ء کو شائع ہوا۔ (ص۔۸) اس مضمون کی اشاعت کے بعد ہی مصنف کو'' فتاویٰ نوریہ کا دیگر معاصر فتاویٰ جات کے ساتھ تقابلی مطالعہ'' کا خیال آیا تھا۔ جو اب موجودہ شکل میں کتاب بن چکا ہے۔

ابتدا میں دی گئی فہرست کے مطابق یہ کتاب ۱۲ ابواب پر تقسیم کی گئی ہے جس کی ترتیب کچھ یوں ہے۔

باب اوّل: فتاویٰ نوریہ کا عمومی تعارفی خاکہ

باب دوم: فتاویٰ نوریہ کے مآخذ و مراجع (بعض کتب کا مختصر تعارف)
(مگر ص۔۲۷ پر اس باب کا عنوان یہ لکھا گیا ہے۔'' تقابلی مطالعہ میں شامل کتب'')

باب سوم: جدید عصری مسائل

باب چہارم: مسائل کلامیہ (اعتقادی مسائل)

باب پنجم: مسلکی امتیازات

باب ششم: رجالِ نوریہ (منتخب)

باب ہفتم: مآخذِ نوریہ

باب ہشتم: اماکن نوریہ

باب نہم: نوری محاکمات

باب دہم: فتاویٰ نوریہ کے مؤیدین اور تصدیقاتِ علماء

بابِ یازدھم: فتاویٰ نوریہ کی بعض دیگر خصوصیات

بابِ دوازدھم: مآخذ و مراجع

تقابل کے لیے جن فتاویٰ کو سامنے رکھا گیا ہے وہ یہ ہیں:

۱- فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندی (۱۲۷۵ھ۔۱۳۴۷ھ) (ص۷۲تا۸۲)

۲- امداد الفتاویٰ، مولانا اشرف علی تھانوی (۱۲۸۰ھ۔۱۳۶۲ھ) (ص۸۳۔۸۸)

۳- امداد الاحکام، مولانا ظفر احمد عثمانی/ مولانا عبدالکریم (ص۸۹۔۹۲)

۴- فتاویٰ رشیدیہ، مولانا رشید احمد گنگوہی (۱۲۴۴ھ/۱۳۲۳ھ) (ص۹۳۔۹۶)

۵- کفایت المفتی، مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی، (۳۱، دسمبر۱۹۵۲ء) (ص۹۷۔۱۱۴)

۶- مجموعۃ الفتاویٰ، مولانا عبدالحئ لکھنوی، (۱۸۴۸ء۔۱۸۸۶ء) (ص۱۱۵۔۱۱۸)

۷- احسن الفتاویٰ، مفتی رشید احمد، (ص۱۱۹۔۱۲۳)

۸- فتاویٰ علمائے اہلحدیث، مرتبہ مولانا ابوالحسنات علی محمد سعیدی، (ص۱۲۴۔۱۲۵)

۹- جدید فقہی مسائل۔ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی (ص۱۲۶۔۱۲۷)

۱۰- آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام۔ مفتی محمد شفیع، (ص۱۲۸۔۱۲۹)

۱۱- رسائل ومسائل۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی (ص۱۳۰۔۱۳۱)

فتاویٰ نوریہ کا تعارف ص۲۹ سے ص۷۱ تک پھیلا ہوا ہے۔ (یہ کل ۴۳ صفحات ہیں) جبکہ مذکورہ بالا گیارہ فتاووں کا مجموعی تعارف ۶۰ صفحات پر لکھا گیا ہے جو بظاہر غیر متوازن ہے۔ مگر صاحبزادہ محمد محبّ اللہ نوری نے ''حرفِ محبت'' کے نام سے کتاب میں شامل اپنے تبصرے/ رائے میں لکھا ہے کہ ''علامہ اعظمی صاحب نے جہاں فتاویٰ نوریہ کا تفصیلی تعارف پیش کیا ہے وہیں تقابلی جائزہ میں شامل دیگر کتبِ فتاویٰ کا بھی تفصیلی تعارف کرایا ہے'' (ص۱۲)

جبکہ امرِ واقعہ یہ ہے کہ فتاویٰ نوریہ کا تعارف تو بلاشبہ تفصیلی ہے مگر جن فتاویٰ یا کتبِ مسائل کو تقابل کے لیے پیش کیا گیا ہے ان کے تعارف کو تفصیلی قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

صاحبِ فتاویٰ نوریہ کہ جنہیں جگہ جگہ فقیہ اعظم کے لقب سے یاد کیا گیا ہے اس کتاب میں ان کا سوانحی خاکہ شامل نہیں ہے۔ راقم کو اس پر حیرت ہے۔ قاعدہ کے مطابق فتاویٰ نوریہ پر بحث سے پہلے خود صاحبِ فتاویٰ کا تفصیلی تعارف ہونا چاہئے تھا۔ کتاب کا یہ وہ Fault ہے جسے آئندہ ایڈیشن میں دور کردینا چاہئے۔

فتاویٰ نوریہ (جلد اوّل):

فتاویٰ نوریہ کی جلد اول میں جن علمائے اہلسنّت نے تائیدات وتقریظات لکھیں ان میں علامہ احمد سعید کاظمی، مولانا عطاء محمد بندیالوی، علامہ غلام رسول سعیدی اور صاحبزادہ محمد محبّ اللہ نوری شامل ہیں۔ (ص۳۰۔۳۱) بلاشبہ اہلسنت میں یہ چاروں شخصیات علمی طور پر عظیم المرتبت تسلیم کی جاتی ہیں۔ واضح ہو کہ تقابل کے لیے پیش کئے گئے کتبِ فتاویٰ کے تعارف میں اس طرح کا کوئی اہتمام نہیں ملتا یعنی ان فتاویٰ جات پر اگر علماء نے تائیدات وتقریظات لکھیں یا نہیں لکھیں۔ دونوں صورتوں میں اُن کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

فتاویٰ نوریہ کی جلد اول میں ۱۷۴ استفتاء ات کے جوابات لکھے گئے ہیں۔ مستفتی حضرات میں بہتر (۷۲) افراد ایسے ہیں جنہیں علمائے کرام اور دانشور سمجھا جاتا ہے۔ (ایسے چند منتخب افراد کا تذکرہ الگ باب میں ''رجال نوری'' کے نام سے پیش کیا گیا ہے) (ص۳۲) مگر مقابلہ پر پیش کئے گئے کتبِ فتاویٰ کے ذیل

میں اس طرح کا اہتمام بھی نہیں کیا گیا۔ جلد اول کے اہم عنوانات و مباحث کے تحت متعدد موضوعات کو پیش کیا گیا ہے جبکہ اس طرح کا اہتمام متقابل فتاویٰ جات میں حسبِ روایت پھر نہیں ہے۔

بہرحال جلد اول میں شامل مستقل رسائل کے زیرِ عنوان جن سات عدد رسائل کا ذکر کیا گیا ہے۔اُن میں دو رسائل خصوصی توجہ کے لائق ہیں:

۱- **عقود العساجد لعمار المساجد**۔ اس کے تعارف میں لکھا ہے:

''پہلے سے بنی ہوئی مسجد کو شہید کر کے ازسرِ نو تعمیر کرنا اور اسی طرح پہلی مسجد کی جگہ کو کسی اور مصرف کے لیے استعمال کرنے سے متعلق انتہائی تحقیقی انداز اور ٹھوس علمی دلائل کے ساتھ فتویٰ دیا گیا ہے۔۔۔ عیسائیوں کے چندہ سے تعمیر شدہ مسجد سے متعلق مولانا سید مفتی مسعود علی قادری کے ایک فتویٰ پر نوری رائے بھی شامل ہے'' (ص۳۳)

ایک دوسری جگہ اسی رسالے کے تعارف میں لکھا ہے۔''تعمیرِ ثانی کے موقع پر مسجد کے کسی حصہ کو مسجد سے خارج کرنا حرام ہے'' (ص۳۷)

۲۔ **ضمیمہ مکبر الصّوت**، نماز میں لاؤڈ سپیکر کے استعمال کا جواز

جلد اول کا تعارف ص۲۹ سے شروع ہوکر ۲۸ پر ختم ہوتا ہے، گویا اس جلد کا تعارف دس صفحات پر مشتمل ہے۔

فتاویٰ نوریہ (جلد دوم)

فتاویٰ نوریہ جلد دوم میں صاحب فتاویٰ کے علم وفن پر مضامین ومقالات لکھنے والوں میں پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، مفتی محمد حسین نعیمی، پروفیسر ڈاکٹر ظہور احمد، پروفیسر ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی، مولانا محمد منشا تابش قصوری، راجہ رشید محمود اور پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہرالقادری شامل ہیں۔ علاوہ ازیں پیر محمد کرم شاہ الازہری اور مولانا غلام علی اوکاڑوی کے تأثرات بھی درج ہیں۔ (ص۳۹تا۴۲) مگر یہاں بھی مصنف نے دیگر فتاوؤں میں اس طرح کا کوئی اہتمام نہیں کیا ہے۔

جلد دوم کے اہم عنوانات و مباحث کے تحت چار عنوانات درج کر کے ان کا مختصر تعارف پیش کیا گیا ہے، نیز اس جلد میں شامل تین مستقل رسائل کا ذکر کیا گیا ہے۔ جن میں پہلا رسالہ روزے کی حالت میں ٹیکہ لگوانے سے متعلق شرعی حکم پر مشتمل ہے'' (ص۴۵) وہ شرعی حکم کیا ہے؟ آیا جواز میں ہے یا عدم جواز

میں؟ اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ دوسرے رسالہ ''**افادة النشر او كد الامر**'' کے تعارف میں لکھا ہے کہ ''رویتِ ہلال یعنی چاند کے ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں سرکاری سطح پر ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر اعلان کے معتبر ہونے یا نہ ہونے سے متعلق نفیس بحث ہے۔ جس میں بتایا گیا ہے کہ جدید ٹیکنالوجی کے اس دور میں نشرواشاعت کے ان ذرائع پر اعتماد کرتے ہوئے روزہ رکھنا یا افطار کرنا درست ہے'' (ص۴۵)

اس رسالہ کے تعارف میں جس طرح صاحبِ فتاویٰ کا موقف واضح کیا گیا ہے مصنف کو اس طرح کے تمام مقامات پر یہی اسلوب اختیار کرنا چاہئے تھا۔

اس جلد میں ۲۴۱ استفتاء ات کے جوابات شامل ہیں۔ مصنف نے چند اہم مستفتین کے اسمائے گرامی بھی درج کیے ہیں۔ (ص۴۵۔۴۶)

واضح ہو کہ اس طرح کا انداز دیگر فتاویٰ کے تعارف میں اختیار نہیں کیا گیا ہے۔

فتاویٰ نوریہ (جلد سوم)

فتاویٰ نوریہ کی یہ جلد ۱۹۸۳ء کو شائع ہوئی۔ اس کا تیسرا ایڈیشن ۱۹۹۳ء میں منظرِ عام پر آیا۔ یہ جلد ۶۷۲ صفحات پر ہے، اس جلد میں صاحبِ فتاویٰ کی مختصر سوانح حیات مولانا منشاء تابش قصوری کی تحریر کردہ ہے اور سید عبدالرحمٰن بخاری کا ''فتاویٰ نوریہ کا علمی مقام'' کے عنوان سے ایک مقالہ بھی شامل ہے۔ اس جلد کا ایک خصوصی امتیاز بقول مصنف یہ ہے۔

''اس میں شامل تمام کتب کی ابتداء میں اس کا مختصر تعارف پیش کیا گیا ہے جس میں بطور خاص اس بات کو ملحوظ رکھا گیا ہے کہ قرآن و سنت میں متعلقہ موضوع کے حوالے سے دلیل کو ذکر کردیا گیا ہے جو علماء و عامۃ الناس کے لئے یکساں مفید ہے۔ عصرِ حاضر کے متداول اُردو فتاویٰ جات میں سے کسی میں بھی یہ امتیاز نظر نہیں آتا۔ (ص۴۹)

اس جلد میں کتاب الطلاق کے تحت متعدد ابواب لکھے گئے ہیں۔ جیسے **باب الطلاق الصبی، طلاق المجنون والمغمیٰ علیه، الطلاق فی الغضب، طلاق الحوامل، طلاق المكره، كتابة الطلاق، الفاظ الطلاق، الطلاق بالشرط**. اسی طرح **باب الحلاله، باب تفريق القاضی، باب الظهار** اور **باب العدّة**.

مذکورہ بالا عنوانات و مباحث میں اگر یہ بتلا یا دیا جاتا کہ اس ضمن میں صاحبِ فتاویٰ کی رائے یا فتویٰ یہ ہے تو ان عنوانات کا تعارف مکمل ہوجاتا۔ مگر کتاب میں چونکہ صرف عنوانات ذکر کئے گئے ہیں جس سے وہ

عنوانات اپنے تعارف میں غیرواضح بلکہ مبہم لگتے ہیں۔

مصنف نے حرمتِ زاغ، **الجواب لایحل کباب الغراب** نامی رسالے کا ذکر کرکے لکھا ہے کہ:

> کوّے کی حلت وحُرمت بھی علمائے اہل السنّت والجماعت اورغیرمقلدین و علمائے دیوبند کے مابین ایک متنازعہ فیہ مسئلہ ہے۔ اہلِ سنت حرمت کے قائل ہیں، جبکہ مخالفین اس کی حلت کے قائل ہیں۔ حضرت فاضل مصنف نے علمائے اہلسنت کی تائید کرتے ہوئے نصوص شرعیہ سے زاغ معروفہ (کوّے) کی حُرمت کو ثابت کیاہے۔ اس سلسلے میں قرآن وسنت کے علاوہ درجنوں کتب فقہ سے اپنے موقف پر دلائل پیش کئے ہیں۔ (ص۵۱)

جس طرح مصنف کتاب نے اس رسالے کا تعارف پیش کیاہے۔ اگر بقیہ رسالوں اور دیگر عنوانات و مباحث پربھی وہ ایساہی تعارف لکھتے تو زیادہ بہتر اور مناسب ہوتا۔ واضح ہوکہ اس طرح کا تعارف انہوں نے ایک اور رسالے پربھی لکھاہے۔ جس کا عنوان ہے۔ **الافتاء فی جواز کتابة النسآء** (ص۵۲) اور اس جلد کے مستفتین میں شیخ الحدیث مولانا غلام رسول، مولانا محمد شفیع اوکاڑوی، مولانا غلام علی اوکاڑوی اور صاحبزادہ فیض الحسن شاہ صاحب جیسے نامور علماء شامل ہیں۔

فتاویٰ نوریہ، (جلد چہارم)

فتاویٰ نوریہ جلد چہارم کی پہلی اشاعت جنوری ۱۹۹۰ء کوعمل میں آئی اور دوسری اشاعت ۱۹۹۷ء میں ہوئی۔ یہ جلد ۶۱۶ صفحات پرمشتمل ہے۔ اس میں صاحبِ فتاویٰ کے ایک شاگرد پروفیسر خلیل احمد نوری کا ایک مضمون بھی شامل ہے۔ جو صاحبِ فتاویٰ کے تعلق سے لکھا گیاہے۔ مصنف کے بقول اس مضمون میں صاحبِ فتاویٰ کو زمانے کے بدلتے ہوئے احوال ومقتضیات سے آشنا اور گروہ بندیوں سے آزاد ہوکر سوچنے والے بالغ نظر عالم دین کے طور پر پیش کیا گیاہے اور اس دعویٰ کے ثبوت میں فتاویٰ نوریہ میں سے ہی متعدد حوالے ذکر کئے گئے ہیں۔ (ص۵۷)

یہ جلد ۱۴ ابواب پرمشتمل ہے۔ جس میں **کتاب السرقہ، دیت وقصاص، کتاب البیوع، کتاب الربوا، کتاب الرھن، کتاب الدعویٰ باب ثبوت النسب، باب حضانة الولد، کتاب الوصایا، کتاب الفرائض، باب ذوی الفروض، باب العصبات، باب ذوی الارحام، باب العول، باب الرّد، باب**

التصحیح، باب المناسخہ اور باب مسائل شتّی شامل ہیں۔

یہاں بھی صاحبِ فتاویٰ کی کسی اجتہادی رائے یا منفرد فتویٰ کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ جبکہ اس جلد میں پروفیسر خلیل احمد نوری نے اپنے مضمون میں لکھا ہے۔ ''دیدہ ور اکابرین وعمائدین اہلسنت'' حضرت مصنف کے مجتہدانہ کارناموں کا اعتراف واقرار کرتے تھے۔ (ص۵۶)

اس جلد کے مستفتین کی کثیر تعداد میں جسٹس پیرمحمد کرم شاہ الازہری جیسے عظیم المرتبت عالم دین بھی شامل ہیں۔ فتاویٰ نوریہ کی اس جلد میں مصنف کے بقول جابجا اصولِ حدیث، رسم المفتی کے علاوہ بھی اہم مسائل پر فاضلانہ رائے کا اظہار ملتا ہے۔ (ص۶۱) مگر مصنف نے ان مسائل میں سے کسی ایک کا بھی حوالہ اپنے دعویٰ کے ثبوت میں پیش نہیں کیا ہے۔

اس جلد میں مولانا عبدالحکیم شرف قادری کے قلم سے صاحبِ فتاویٰ پر لکھا گیا ایک مضمون '' یکتائے روزگار'' شامل اشاعت ہے۔ جس میں ان کی دینی، سیاسی اور سماجی خدمات کو خراجِ تحسین پیش کیا گیا ہے۔

اس جلد کے تعارف میں مصنف نے '' **انار استمرار الکفار فی اضرار النار**'' نامی رسالے یا مسئلے کا ذکر دوجگہ کیا ہے۔ ایک جگہ اس رسالہ کے تعارف میں لکھا ہے کہ ''فوت ہونے کے بعد قیامت میں کفار کے عذاب سے متعلق شیخ محی الدین ابن عربی کی طرف منسوب ایک قول پر علمی تبصرہ اور عقیدۂ اہلسنت وجماعت کی نصوص قطعیہ شرعیہ سے تائید'' (ص۶۴) اور دوسری جگہ اسی رسالے کے تعارف میں لکھا ہے۔ ''کفار کے ہمیشہ عذاب میں رہنے سے متعلق ایک زبردست علمی وتحقیقی مقالہ'' (ص۲۲) اس طرح کی تکرار، طبع سنجیدہ پر گراں گزرتی ہے اور تحریر کی بے ربطی الگ ظاہر ہوتی ہے۔

فتاویٰ نوریہ (جلد ششم)

اس جلد میں صاحبِ فتاویٰ نوریہ کے اُس فتوے کا ذکر بہت اہتمام سے کیا گیا ہے جو بہ زبان عربی لکھا گیا ہے۔ یہ فتویٰ جس موضوع پر ہے وہ مبطلاتِ صلوٰۃ کا موضوع ہے۔ اس طرح کے مسائل و احکام کتبِ فقہ میں بالعموم پائے جاتے ہیں۔ مگر مصنف نے صاحبِ فتاویٰ کے اس فتویٰ سے جو نتیجہ بر آمد کیا ہے، وہ بجائے خود حیران کُن ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اس فتویٰ'' کو پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ حضرت فقیہ اعظم کو جس طرح سے اردو پر عبور حاصل تھا، عربی ادب پر بھی آپ کو اسی قدر قدرت حاصل تھی، افادۂ عام کے لیے ۷ (سات) صفحات پر پھیلے ہوئے اس عربی فتویٰ کا اردو ترجمہ بھی دے دیا گیا ہے۔''(ص۔۹۷)

نماز کن اُمور سے باطل ہوتی ہے اور کن سے نہیں۔ اس طرح کے مسئلے مسائل پر عربی زبان میں لکھنا

عربی ادب سے کتنا تعلق رکھتا ہے۔ اسے اہلِ فقہ اور اہلِ ادب دونوں ہی جانتے ہیں۔محض چندصفحات کا کسی عام موضوع پر لکھا ہونا کسی بھی عالم کے قادر الکلام ہونے کی دلیل کیسے بن سکتا ہے؟ اتنے بڑے دعویٰ کے لیے دلیل کی ضرورت بھی اسی درجے کی مطلوب ہے، جو کہ یہاں مفقود ہے۔

اس جلد کے مستفتین میں مولانا فیض الحسن شاہ صاحب، جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازھری اور مولانا قاری رضا المصطفیٰ اعظمی جیسے مشاہیر شامل ہیں۔ (ص۔ ۱۷)

.....

تقابلی مطالعہ میں شامل کتب:

یہ اس کتاب کا دوسرا باب ہے۔ جس میں سب سے پہلے فتاویٰ دارالعلوم دیو بند کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس ''فتاویٰ'' کے تعلق سے لکھا گیا ہے کہ ''پیشِ لفظ میں صاحبِ فتاویٰ مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دیو بندی کا سوانحی خاکہ لکھا گیا ہے۔'' (ص۔۷۳)

یہ سوانحی خاکہ کس نے لکھا ہے؟ یہ نہیں بتایا گیا جبکہ فتاویٰ نوریہ کے مضمون نگاروں کو ان کے ناموں کے ساتھ ظاہر کیا گیا ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ تقابلی مطالعہ میں ایسا نہیں ہوتا۔ اس فتاویٰ کی جلد اوّل میں کتنے مسائل یا رسائل لکھے گئے ہیں ان کا بھی کوئی ذکر نہیں کیا گیا ہے، بلکہ فتاویٰ دارالعلوم دیو بند کی تمام جلدوں میں (پہلی جلد سے بارہویں جلد تک) اسی عدمِ ذکر کا التزام کیا گیا ہے جبکہ یہ بات تقابلی مطالعہ کے اصول کے بالکل خلاف ہے۔ بلکہ ان جلدوں کے مندرجات پر درج ذیل نقد ونظر بھی کیا گیا ہے۔

> مآخذ کے اعتبار سے فتاویٰ دارالعلوم دیو بند کا یہ پہلو انتہائی قابلِ توجہ ہے کہ مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی صاحب نے اپنے لکھے ہوئے فتاویٰ میں شاذ و نادر ہی کسی ماخذ کا حوالہ دیا ہے ورنہ بالعموم انہوں نے اس کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی۔ حالانکہ اگر قدیم و جدید فتاویٰ جات کو دیکھا جائے تو ہر مفتی اپنے فتویٰ ، موقف یا رائے کی بنیاد یا تائید کے لیے اسلاف کے اقوال کا بقیدِ حوالہ ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہے۔ (ص۔۸۱)

فاضل مصنف نے امداد الفتاویٰ کو فتاویٰ دارالعلوم دیو بند سے زیادہ اہمیت دی ہے اور لکھا ہے کہ ''فتاویٰ دارالعلوم دیو بند کا جتنا اونچا نام ہے۔ اس میں اتنے دلائل اور علمی مواد نہیں۔ اس کے برعکس تھانوی

صاحب کا مُرتّبہ فتاویٰ اپنے اندر دلائل کا وسیع خزانہ رکھتاہے۔ قطع نظر اس کے کہ دلائل قوی ہیں یا کمزور۔'' (ص۔۸۳)

مگر اس اقتباس کے آخری فقرے میں جو لکھا گیا ہے وہ سلبِ تعریف کے سوا کچھ بھی نہیں۔ گویا اس طرح فاضل مصنف نے امداد الفتاویٰ کو جہاں دلائل کی بناء پر اہمیت دی ہے وہیں ضعفِ دلائل کی بناء پر اسے غیر اہم بھی ظاہر کر دیا ہے۔ امداد الفتاویٰ کی چھ جلدوں کا تعارف کُل چھ صفحات میں لکھا گیا ہے جو میری ناقص رائے میں ناکافی ہے۔

فتویٰ کی تیسری کتاب امداد الاحکام کے تعارف میں بتایا گیا ہے کہ امداد الفتاویٰ دراصل مولانا اشرف علی تھانوی کے امداد الفتاویٰ کا تکملہ ہے، جو چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ (ص۔۸۹) مگر فاضل مصنف نے تعارف صرف دو جلدوں کا پیش کیا ہے اور وہ بھی نہایت اختصار کے ساتھ۔ البتہ یہ توصیفی جملہ قابلِ توجہ ہے جو لکھا گیا ہے۔

'' مولانا ظفر احمد عثمانی کے مرتب کردہ فتاویٰ امداد الاحکام میں مسائل کی توضیح کے لیے مولانا تھانوی کے امداد الفتاویٰ کی نسبت دلائل زیادہ دیے گئے ہیں، اکثر مشترک ہیں۔'' (ص۔۹۲)

اس فتاویٰ کے بارے میں مفتی تقی عثمانی کی رائے بھی دی گئی ہے کہ ''امداد الاحکام کو درحقیقت امداد الفتاویٰ ہی کا ایک حصہ سمجھنا چاہیئے اور اس پر ایسا ہی اعتماد کیا جا سکتا ہے جیسا خود حضرت حکیم الامت کے لکھے ہوئے فتاویٰ پر کیا جاتا ہے۔'' (ص۔۹۰)

فتویٰ کی چوتھی کتاب '' فتاویٰ رشیدیہ'' ہے۔ فاضل مصنف نے اس کتاب پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ'' فتاویٰ کے تمام مشتملات کو مولانا کا فتویٰ قرار نہیں دیا جا سکتا کہ جو انہوں نے سائل کے جواب میں لکھا ہو بلکہ اس میں بہت سا مواد مؤلف کے ملفوظات پر بھی مشتمل ہے، لہٰذا انہیں فتویٰ قرار دینا قرین قیاس نہیں۔'' (ص ۹۶)

.....

فتوے کی چھٹی کتاب مجموعۃ الفتاویٰ ہے۔ جو مولانا عبد الحئ لکھنوی کا ہے۔ فاضل مصنف نے اس کتاب اور اس کے مصنف کی دل سے تعریف کی ہے اور ایک لفظ بھی ایسا نہیں لکھا۔ جس سے ظاہر ہوتا ہو کہ مصنف کو ان سے کوئی تعصب ہو، مثلاً لکھتے ہیں۔'' مولانا موصوف نے اپنے دیگر معاصر علماء کے برعکس جا بجا کتب فقہ و فتاویٰ کے حوالہ جات بھی نقل کیے ہیں۔ بہرکیف مجموعۃ الفتاویٰ کو ایک مستند اور معتبر فتاویٰ کی

حیثیت و رُتبہ حاصل ہے۔ (ص۔۱۱۸) مگر افسوس کہ اس مجموعہ کا تعارف بھی نہایت مختصر کرایا گیا ہے۔ یعنی کل ساڑے تین صفحے لکھے گئے ہیں۔

.....

فتوے کی ساتویں کتاب احسن الفتاویٰ ہے، جو آٹھ مجلّدات پر مشتمل ہے۔ اس کے مرتب و محرر مفتی رشید احمد ہیں۔ اس کتاب کا تعارف کراتے ہوئے فاضل مصنف نے لکھا ہے کہ'' فتاویٰ میں حسبِ موقع و ضرورت دلائل بھی دیے گئے ہیں۔ یہ فتاویٰ قطع نظر اختلافِ مسلک اس لیئے بھی لائقِ التفات ہے کہ اس میں متعدد جدید مسائل پر بھی مولانا لُدھیانوی نے اپنی علمی تحقیقات پیش کی ہیں۔'' (ص۔ ۱۱۹)

اور اس کے تسلسل میں مصنف نے لکھا ہے'' شاید مفتی صاحب موصوف حالاتِ زمانہ کا ادراک نہیں کر سکے کہ اپنے فتویٰ میں بالعموم پرانی آراء ہی پیش کی ہیں۔'' (ص۔۱۱۹)

واضح رہے کہ'' علمی تحقیقات'' کے اعتراف کے بعد'' حالاتِ زمانہ کے ادراک نہ کر سکنے اور پرانی آراء پیش کرنے'' کا الزام مصنف کے تضادِ بیان کی چغلی کھاتا ہے۔

بہرحال اس تضاد بیان کے باوجود احسن الفتاویٰ کے علمی مقام کا تعین خود مصنف کے ہاں بھی تسلیم شدہ معلوم ہوتا ہے۔اس ضمن میں مصنف کا اعتراف ملاحظہ کیجئے۔

'' اس چیز کا اعتراف نہ کرنا قرین انصاف نہیں ہوگا کہ احسن الفتاویٰ کے بعض مسائل اور رسائل کا اگر بنظرِ غائر جائزہ لیا جائے تو کئی مقامات پر مؤلف موصوف کی قوتِ استدلال اور علمی تحقیق کی داد دیے بغیر انسان نہیں رہ سکتا۔'' (ص۔۱۲۳)

اس فتاویٰ کا تعارف پانچ صفحات پر مشتمل ہے۔

.....

فتاویٰ کی آٹھویں کتاب، فتاویٰ علمائے اہلِ حدیث ہے۔ جو مولانا ابو الحسنات علی محمد سعیدی نے مرتب کی ہے۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے یہ کسی ایک عالم کا مجموعۂ فتاویٰ نہیں ہے بلکہ ستاسی (۸۷) علماء کے فتاویٰ اس میں جمع ہیں۔ اس مجموعے پر مصنف نے جو نقد کیا ہے، وہ بہت مناسب اور صحیح ہے کیونکہ اس میں وہ علماء بھی شامل ہیں، جو اہلِ حدیث مسلک سے تعلق نہیں رکھتے۔ مثلاً شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ، مفتی کفایت اللہ دہلوی، مولانا ضیاء الحق، مولانا محمد قاسم اور مولانا عبد الغفور وغیرہ۔ اس لیے فنی طور پر اسے فتاویٰ علمائے اہلِ حدیث کہنا غلط ہے۔

یہ مجموعہ پندرہ مجلدات پر مشتمل ہے۔ مگر مصنف نے لکھا ہے کہ اس کے پاس اس کی صرف ایک ہی جلد ہے اور وہ ہے جلد پنجم۔ اس فتاویٰ کا تعارف صرف دوصفحات میں لکھا گیا ہے۔

.....

فتاویٰ کی نویں کتاب جدید فقہی مسائل از مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ہے۔ معروف معنیٰ میں فتویٰ کی کتاب نہ ہونے کے باوجود اسے تقابلی مطالعہ میں شامل کیا گیا ہے۔ یہ دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ واضح رہے کہ یہ کتاب جدید فقہی مباحث پر مشتمل ہے جو عصرِ حاضر کے تناظر میں جدید مسائل کا حل پیش کرتی ہے اور اپنے عنوانات کے پیشِ نظر اس کتاب کی جلد دوم بالخصوص لائقِ مطالعہ معلوم ہوتی ہے، مثلاً خیارِ بلوغ کا حق اور اس کا استعمال، مفقود الخبر اور غائب شخص کی بیوی کا حکم، خُلع میں قاضی اور حکم کے اختیارات، بینک انٹرسٹ ، مکانات و دکانات کی پگڑی کا شرعی حکم، اعضاء کی پیوندکاری، بنو ہاشم و سادات اور زکوٰۃ ، مسئلہ کفایت پر ایک نظر، حالتِ نشہ کی طلاق، نوٹ کی شرعی حیثیت، ٹیسٹ ٹیوب سے تولید اور اس سے متعلق احکام۔ (ص۔ ۱۲۷)

.....

فتاویٰ کی دسویں کتاب، آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام از مفتی محمد شفیع دیو بندی ہے۔ مصنف کے بقول:

> فتاویٰ نوریہ کے تقابلی مطالعہ کے وقت ان کی کتاب '' آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام'' راقم کے زیرِ مطالعہ رہی، اور بالخصوص آلۂ مکبر الصوت کے حوالہ سے ان کی علمی بحث سے استفادہ بھی کیا۔ بلاشبہ مفتی صاحب موصوف کی یہ ایک علمی وتحقیقی تحریر ہے، جو مختلف اوقات میں ان سے پوچھے گئے بعض فقہی مسائل کے جوابات پر مشتمل ہے۔(ص۔ ۱۲۸)

اس کتاب کے عنوانات بھی مصنف کے زمانے کے جدید مسائل اور ان کے حل کی نشاندہی کرتے ہیں۔

مثلاً آلۂ مکبر الصوت (ریڈیو اور ٹیلی فون سے متعلق بحث بھی اس میں شامل ہے) فوٹو گرافی وغیرہ سے متعلق شرعی احکام، گراموفون کے شرعی احکام، فوٹو کے متعلق شرعی احکام، فلم کے شرعی احکام، ریڈیو پر تلاوتِ قرآن، مریض کے بدن میں انسانی خون کا استعمال اور نوٹ کے ذریعے زکوٰۃ کی ادائیگی۔(ص۱۲۹)

اس سلسلے کی آخری کتاب رسائل و مسائل ہے جو بانیٔ جماعتِ اسلامی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے

مجموعہ سوال وجواب پر مشتمل ہے۔ یہ بھی عرف میں فتوے کی کتاب تو نہیں ہے مگر مصنف نے مولانا کے جوابات کو ''فتاویٰ'' شمار کرتے ہوئے اسے اپنے تقابلی جائزہ میں شامل کرلیاہے۔ مگر ان کتابوں کا جو چھ حصوں پر مشتمل ہے۔ کوئی تعارف نہیں لکھا سوائے اس کے کہ فلاں حصہ کی اشاعت فلاں نمبر کی ہے، جو فلاں سنہ میں شائع ہوا۔ اور اس کے اتنے صفحات ہیں اور بس۔

.....

کتاب کا تیسرا باب ''جدید عصری مسائل'' کے عنوان سے لکھا گیا ہے اور جو موضوع زیرِ بحث لایا گیاہے وہ انگریزی ادویہ کے جواز اور عدم جواز کا ہے۔ اس میں فتاویٰ نوریہ کا تقابل جن علماء کی تحریرات و تحقیقات سے کیا گیاہے ان میں مولانا رشید احمد گنگوہی، مفتی کفایت اللہ دہلوی، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کے مُرتّب شامل ہیں۔ حالانکہ کتاب کے ص۲۷ پر مصنف نے تقابل کے لیے جن نو فتاوؤں کا ذکرکیاتھا ان میں مولانا مودودی کے رسائل و مسائل کا کوئی تذکرہ نہیں تھا۔اس طرح دیکھاجائے تو یہاں نو فتاوؤں میں سے صرف چار کا ذکرموجودہے اور پانچ کا مفقود۔

بہرحال مسئلہ ہذا پر بحیثیت مجموعی پانچ فتاویٰ جات سے تقابل کیا گیاہے اور فتاویٰ نوریہ کے تعلق سے لکھا گیاہے کہ اس کا فتویٰ مدلل ہے۔ جو دس صفحات پر پھیلا ہوا ہے (صفحہ ۱۴۰) مگر تھانوی صاحب کے حوالہ سے جولکھا گیاہے اسے پڑھنے سے معلوم ہوتاہے کہ ان کا فتویٰ بھی مدلل ومحقق لکھا گیاہے جو نو (۹) صفحات پر مشتمل ہے (ص۔۱۳۷) اس مسئلہ پر مصنف نے تقابل کا حق ادانہیں کیا۔ کیونکہ ادویہ کے جواز پر تمام فتاویٰ جات میں ایک ہی طرح کا موقف پیش کیا گیاہے پھر تقابل کیسا؟ اور اگر تقابل ہے تو صرف دلائل کی کمی بیشی اور اس کی پیشکش کا ہے اس لیے مصنف کو دلائل کا تقابل کرنا چاہیئے تھا۔ کیونکہ بعض موضوعات پر بعض علماء زیادہ بہتر اور مدلل موقف پیش کرتے ہیں۔ جبکہ وہ اپنی یہ فاضلانہ روش ہر موضوع پر قائم نہیں رکھ پاتے۔ بہرحال مصنف نے اپنے ممدوح کو بڑا فقیہ ثابت کرنے کے لیے اپنے پسندیدہ عنوان کومنتخب کرکے اُنہیں بڑا محقق ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور تقابل کے لیے کسی قاعدے قانون کی پابندی نہیں کی ہے۔

جدید عصری مسائل میں دوسرا مسئلہ ہوائی جہاز اور چلتی ہوئی ٹرین میں نماز کاہے اس موضوع پر صرف دو فتوؤں سے تقابل کیا گیاہے جن میں ایک تو مولانا عبد الحئ لکھنوی کا فتویٰ ہے اور دوسرا مولانا اشرف علی تھانوی کا اور یہاں بھی صورتحال تقریباً وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔

عنوانِ مذکورہ بالا (جدید عصری مسائل) میں تیسرا موضوع بیمہ انشورنس کاہے۔ یہ پہلا مسئلہ ہے کہ جس

میں مصنف نے صاحبِ فتاویٰ نوریہ کا دیگر فتاویٰ جات سے اختلاف ذکر کیا ہے۔ مگر مصنف نے اس پر خود کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ بلکہ بغیر کسی دلیل اور جواز کے اپنے ممدوح کی مدح کی ہے۔ صرف سات لفظوں پر مشتمل جواب کی اتنی زیادہ تعریف کہ بس۔ اس سلسلے میں مصنف کی عبارت ملاحظہ کیجئے:

> بیمہ کی شرعی حیثیت سے متعلق ایک استفتاء لندن میں حضرت پیر محمد کرم شاہ علیہ الرحمہ کی وساطت سے بغرضِ جواب آیا تو حضرت فقیہہ اعظم نے فقط ایک جملہ میں ایسا جواب ارشاد فرمایا، جو سونے سے تولے جانے کے قابل ہے۔ آپ فرماتے ہیں:
>
> یہ سب سود نہیں اور جائز ہے۔(ص۱۵۱)

قبل ازیں اسی اختصار پر دوسرے فتاویٰ جات پر مصنف نے جابجا تنقید کی ہے جبکہ یہاں اختصار بلکہ 'اختصارِ عظیم'' پر فقیہ اعظم کی تعریف کی جارہی ہے۔

تمہاری زلف پر پہنچی تو حُسن کہلائی
وہ تیرگی جو میرے نامۂ اعمال میں تھی

واضح رہے کہ اس مسئلہ پر مصنف نے صرف تھانوی صاحب اور کفایت اللہ دہلوی سے تقابل کیا ہے۔ بقیہ فتاووٴں کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

اس باب کا چوتھا موضوع ہے ''نماز میں لاؤڈ سپیکر کا استعمال'' اس موضوع پر مصنف نے صرف مفتی محمد شفیع سے تقابل کیا ہے۔ بلاشبہ یہ عمدہ بحث پر مشتمل موضوع ہے۔ مگر جسے تقابل کہتے ہیں اُس کا یہاں بھی فقدان ہے۔ بطور معلومات صرف اتنا درج کرنا کافی ہے کہ اس مسئلہ پر مفتی محمد شفیع کا فتویٰ ۱۱۰ صفحات پر (ص۔۱۵۳) اور صاحبِ فتاویٰ نوریہ کا فتویٰ ۹۳ صفحات پر مشتمل ہے۔ (ص۱۶۶)

پانچواں موضوع ہے ''رؤیت ہلال کا مسئلہ'' مسئلہ ہذا پر صرف مفتی کفایت اللہ دہلویؒ سے تقابل کیا گیا ہے اور حیرت ہے کہ فتاویٰ نوریہ میں مذکور انتہائی مختصر عبارت کو جو صرف ساڑھے تین سطروں پر مشتمل ہے، کو عربی زبان وادب کا نمونہ بھی قرار دے ڈالا ہے۔ (ص۱۷۹)

چھٹا موضوع کتابۃ النساء کا مسئلہ ہے مصنف نے عبدالحیٔ لکھنوی، ظفر احمد عثمانی اور مولانا عبدالکریم سے موازنہ کیا ہے۔ مصنف کے بقول امداد الاحکام کو دومفتیوں نے لکھا ہے۔ ایک ظفر احمد عثمانی اور مولانا عبدالکریم، قابل ازیں اسے مصنف نے امداد الاحکام کے تعارف میں واضح نہیں کیا تھا مگر یہاں اس امر کا

اچانک انکشاف کیا ہے۔ (ص۱۹۰)

اس مسئلہ پر صاحبِ فتاویٰ نوریہ کا فتویٰ جواز کا ہے جو بہت مدلل طریقے سے پیش کیا گیا ہے۔ دلائل نقلی کے ساتھ دلائل عقلی کا استعمال خوب ہے۔ (ص۲۰۰)

عنوانِ مذکورہ کا ساتواں اور آخری موضوع ہے، مریض کے بدن میں خون داخل کرنا۔ اس مسئلہ پر مصنف نے مفتی شفیع، کفایت اللہ دہلوی، خالد سیف اللہ رحمانی اور مولانا مودودی سے تقابل کیا ہے۔ مسئلہ ہذا پر مفتی شفیع نے حالتِ اضطراری میں جواز کا فتویٰ لکھا ہے۔ مفتی کفایت اللہ دہلویؒ نے مشروط طور پر مباح لکھا ہے اور خالد سیف اللہ رحمانی نے بھی مشروط طور پر جائز لکھا ہے۔ البتہ مولانا سید مودودیؒ نے بڑی صراحت و وضاحت کے ساتھ اس کا جواز لکھا ہے۔ (ص۲۰۶) مگر ان فتوؤں میں صحت وعدم صحت کے ساتھ تقابلی دلائل کے ساتھ راجح ومرجوح یا صحیح وغلط قرار دینے میں مصنف ناکام رہے ہیں۔

اس کتاب کا چوتھا باب اعتقادی مسائل پر مشتمل ہے۔ اس باب میں فروعی مسائل کو زیرِ بحث لایا گیا ہے اور اس سلسلے میں سب سے پہلے مسئلہ نور و بشر کو چھیڑا گیا ہے۔ راقم کو اس مسئلہ پر بھی کسی قسم کا تقابل نظر نہیں آیا۔ بظاہر اس عنوان پر، مولانا رشید احمد گنگوہی کے ساتھ تقابل ملتا ہے اس بحث میں مصنف کا انداز خالصتاً مسلک پرستانہ ہے۔ دوسرا مسئلہ، استعانت و استمداد کا ہے۔ اس عنوان سے مصنف نے مولانا رشید احمد گنگوہی، مفتی کفایت اللہ دہلوی، مفتی محمود حسن گنگوہی، سید نذیر حسین دہلوی اور مولانا عبدالحیٔ لکھنوی سے تقابل کیا ہے۔ معلوم ہو کہ مفتی محمود حسن گنگوہی اور سید نذیر حُسین دہلوی کا نام تقابل میں اچانک سامنے آیا ہے۔ قبل ازیں ان کا نام کہیں نہیں آیا تھا یعنی مصنف نے جن علماء سے تقابل کا ذکر کیا تھا۔ یہ دونوں بزرگ اس فہرست میں شامل نہیں تھے۔

اس طرح اچانک کسی کو تقابل میں شریک کرنے کا عمل تحقیق کے مسلمہ اصول کے یکسر خلاف ہے۔ اس ضمن میں دلچسپ امر یہ ہے کہ استمداد و استعانت پر علمائے مذکورین کا مؤقف کم وبیش ایک جیسا ہے۔ جبکہ صاحب فتاویٰ کا موقف ان علماء کے بالکل برعکس ہے۔ بہرحال اس مسئلہ پر بھی ازروئے تحقیق، تقابل کا حق ادا نہیں کیا گیا ہے۔ تیسرا مسئلہ سماعِ موتیٰ کا ہے۔ اس مسئلہ پر مصنف نے صرف مولانا عبدالحیٔ لکھنوی کے ساتھ تقابل کیا ہے، جو ظاہر ہے کہ تقابل کے لیے کیے گئے دعوؤں کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتا۔ یہاں مصنف کو اپنے دعویٰ کے مطابق تمام منتخب علماء کے ساتھ تقابل کرنا چاہئے تھا۔ پھر یہ کہ مسئلہ ہذا پر اصولِ تحقیق کے مطابق بھی تقابل نہیں کیا گیا ہے۔ صرف ان دو حضرات کے فتوؤں کے اقتباسات کا انتہائی اختصار کے ساتھ

ذکر کر دیا گیا ہے۔ یہ باب ص ۲۱۰ سے ص ۲۲۰ تک پھیلا ہوا ہے۔

کتاب کا پانچواں باب مسلکی امتیازات پر مشتمل ہے۔ اس میں میلاد النبی ﷺ کے انعقاد، بزرگان دین کے عرس، سوم، ساتواں، دسواں اور چہلم نیز ختم غوثیہ اور گیارہویں شریف کے عناوین کو زیرِ بحث لایا گیا ہے۔ یہاں بھی اصولِ تحقیق کو بروئے کار لائے بغیر لکھا گیا ہے۔ مثلاً میلاد النبی ﷺ کے انعقاد پر سات علماء کے ساتھ تقابل ہے۔ اسی طرح عرسِ اولیاء پر جن تین علماء سے تقابل ہے۔ ان میں ''فتاویٰ علمائے اہلحدیث'' کے عنوان سے بغیر نام لیے ایک اہلحدیث عالم کو شامل کیا گیا ہے۔ (ص۲۵۰) اور سوئم، چہلم وغیرہ پر بھی جن چار علماء سے تقابل ہوا وہاں بھی غالباً مؤخر الذکر موصوف وہی ہیں، جو مسئلہ ماسبق میں بغیر نام لیے شامل کر دیے گئے تھے۔ البتہ اس کے ذیل میں مصنف نے ختم غوثیہ اور گیارہویں شریف کے عنوان سے فتاویٰ علمائے اہلحدیث کے حوالے سے مولانا محمد اسماعیل غیر مقلد کا نام لکھا ہے۔ (ص۲۶۳) اب یہ پتہ نہیں کہ پچھلے دو حوالوں میں جس اہلحدیث عالم کا ذکر ملتا ہے۔ یہ وہی ہیں یا کوئی اور صاحب ہیں۔ غرض یہ کہ یہ باب بھی تحقیق کے اصولوں کے برخلاف لکھا گیا ہے۔

کتاب کا چھٹا باب ''رجالِ نوریہ'' کے نام سے باندھا گیا ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ صاحبِ فتاویٰ نوریہ سے جن حضرات نے استفتاء کیا ہے۔ وہ کون لوگ تھے اور کس درجے کے حامل تھے؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ مفتی نوراللہ بصیر پوریؒ کے رجالِ استفتاء دیکھ کر ان کی علمی بلند قامتی کا اندازہ بہ آسانی ہوتا ہے۔ مصنف کے بقول ''آپ کی طرف رجوع کرنے اور استفتاء کرنے والوں میں علمائے دین کی تعداد دوتہائی سے بھی زیادہ ہے'' (ص۲۶۷) میں یہاں ان علمائے دین میں سے چند ایک کے نام لکھتا ہوں۔ جن کا قدرے تعارف مصنف نے اپنی کتاب میں پیش کیا ہے۔ مولانا عبدالغفور ہزاروی، مولانا غلام رسول (فیصل آباد) مولانا سید غلام معین الدین نعیمی، پیر سید اختر حسین علی پوری، صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ، علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری، مولانا غلام علی اوکاڑوی، مولانا محمد شفیع اوکاڑوی، مولانا مفتی غلام محمود (جہلم) مولانا غلام مہر علی گولڑوی، مفتی غلام سرور قادری، مولانا ابوالنصر منظور احمد شاہ ہاشمی اور مفتی ڈاکٹر ضیاء الحبیب صابری۔ (ص۲۶۸ تا ص۲۸۳) مصنف نے ان ناموں کے علاوہ بھی علمائے دین کی ایک اجمالی فہرست دی ہے جو ص۲۳۵ سے ۲۹۸ پر محیط ہے۔

اس باب پر راقم کا نقد یہ ہے کہ مصنف نے متقابل فتاویٰ جات کے رجالِ استفتاء کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ جبکہ تقابلی مطالعہ میں اس امر کا لحاظ بھی ضروری ہوتا ہے۔ مصنف کو چاہئے کہ آئندہ ایڈیشن میں

اس کمی کو پورا کرے۔ اس کے بغیر حقِّ موضوع ادانہیں ہوگا۔

ساتواں باب مآخذِ نوریہ پر مشتمل ہے۔ اس میں صاحبِ فتاویٰ کی محولہ کتب کا ذکر ہے۔تفسیر کے باب میں اکثر جن تفاسیر کا حوالہ دیا گیا ہے ان کی تعداد ۲۱ ہے۔ (ص۳۰۲) اسی طرح حدیث کے باب میں ۲۴ کتب کا حوالہ ملتاہے۔ (ص۳۰۳) پھر کتب اسماء الرجال واللغات میں ۱۳ (ص۳۰۶) کتب اصولِ فقہ میں ۲۱ (ص۳۰۸) کتب فقہ میں ۳۹ (ص۔۳۱۰) کتب مذاہب مختلفہ میں ۱۶ (ص۳۱۱) کتب عقائد میں ۱۷ (ص۔۳۱۲) کتب تصوف و سیرت میں ۱۰ (ص۳۱۴) اور کتب نحو میں ۵ (ص۳۱۴) کتابیں خصوصیت کے ساتھ بیان کی گئی ہیں۔مگر یہاں بھی راقم کا نقد وہی ہے، جو اوپر مذکور ہوا۔مصنف نے یہاں بھی انصاف سے کام نہیں لیا۔ متقابل فتاویٰ جات کا اس حوالے سے اس میں کوئی ذکر نہیں ہے۔ جو تقابل کے مسلمہ اصولوں کے خلاف ہے۔

آٹھواں باب اماکن نوریہ کے نام سے لکھا گیاہے۔ اس باب میں لکھاہے کہ مفتی نوراللہ بصیر پوریؒ سے جن علاقوں، شہروں اور ملکوں سے استفتاء آئے تھے۔ وہ کون کون سے ہیں؟ مگر یہاں بھی متقابل فتاویٰ جات میں سے کسی ایک مجموعۂ فتاویٰ کے اماکن کاذکر نہیں ملتا۔

نواں باب نوری محاکمات کے عنوان سے قائم کیاہے۔ اس باب میں اُن ۱۹ مسائل کی نشاندہی کی گئی ہے جس میں صاحبِ فتاویٰ نوریہ نے اپنے معاصر اہلِ علم کے فتاویٰ سے اختلاف کیاہے۔ بلکہ کئی مسائل میں ان کا تعقّب و محاکمہ بھی کیاہے۔مگر یہاں بھی مصنف نے حسبِ روایت متقابل فتاویٰ جات کو یکسر فراموش کردیا ہے۔

دسواں باب فتاویٰ نوریہ کے مؤیدین اور تصدیقاتِ علماء پر مشتمل ہے۔مگر اس طرح کی کوئی بحث دیگر فتاویٰ جات سے متعلق اس میں نہیں ہے۔

گیارہویں باب فتاویٰ نوریہ کی بعض دیگر خصوصیات کے تعلق سے لکھا گیاہے مگر اس باب میں بھی متقابل فتاویٰ جات سے موازنہ کا فقدان ہے۔ آخر میں مصنف نے دوصفحات پر مشتمل مآخذ و مراجع کو بارہواں باب قرار دیاہے جو کسی طرح بھی درست نہیں ہے۔ کیونکہ ازروئے تحقیق، مآخذ و مراجع میں نامِ کتاب، نام مصنف، نامِ ناشر اور سنہ اشاعت جیسی مطلوبات کا لحاظ ضروری ہوتاہے اہل علم جانتے ہیں کہ ان کوائف کے بغیر حوالہ جات کو مستندنہیں سمجھا جاسکتا۔

خلاصۃً عرض ہے کہ زیرِ تبصرہ کتاب میں (حوالہ جات کے باب کو نکال کر) گیارہ ابواب لکھے گئے ہیں

جن میں سے صرف پانچ ابواب ایسے ہیں، جن میں تقابل کے لیے کچھ نہ کچھ لکھا گیا ہے۔ حالانکہ جو کچھ لکھا گیا ہے وہ صحیح معنیٰ میں تقابل کے ذیل میں نہیں آتا اور بقیہ چھ ابواب تو خالصتاً فتاویٰ نوریہ کے تعلق سے لکھے گئے ہیں جس میں برائے نام بھی تقابل نہیں ہے اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ ''فتاویٰ نوریہ ایک تقابلی مطالعہ'' اپنے عنوان کے ساتھ کوئی مطابقت نہیں رکھتا۔ فاضل مصنف کو چاہئے کہ وہ اس کتاب کا عنوان بدل کر ''فتاویٰ نوریہ کے محاسن'' کر دیں تو وہ مطابق واقعہ ہوجائے گا اور کسی کو اس پر کوئی اعتراض بھی نہ ہوگا۔